جہالت کی تاریک غاروں سے نورِ اسلام تک

تحریر:- ابو مسعود عبدالجبار سلفی

سرقند تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آسمان پر سیاہ بادلوں کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آسمان پر کوئی تارہ نظر آتا تھا نہ زمین پر کوئی چراغ۔ تمام لوگ سو چکے تھے' اس عالم میں صرف ایک انسان جاگ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں یہ شخص اپنے گھر سے نکلا اور دائیں بائیں جھانکے بغیر سیدھا قصر امارت کے پاس چلا گیا اور اس پر وہ قاہرانہ نگاہ ڈالی کہ اگر اس میں انگارے ہوتے تو یہ محل خاکستر ہو جاتا۔ معاً اس نے قدم تیز کئے اور اپنے مقصد کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر سے نکل کر درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گیا۔ وحشی درندوں اور خونخوار جانوروں کی دہشت ناک آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں کیونکہ یہ جنگل سخت اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک تاریک رات کا اندھیرا دوسرا درختوں کا اندھیرا!!

لیکن یہ آدمی اس خطرناک منظر سے بے پرواہ ہو کر منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہا' کیونکہ آگے والا مقام اس سے بھی زیادہ خوفناک اور دل دہلا دینے والا تھا۔ چلتے چلتے جب اس پتھر کے قریب پہنچا جو مندر کے قریب تھا تو ہیبت کی وجہ سے چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور اس مقام پر اتنا خوف طاری ہوا جو عام لوگوں کو درندوں سے بھی نہیں ہوتا۔

اس کا سبب یہ نہ تھا کہ یہ آدمی کوئی بزدل یا نوعمر لڑکا تھا بلکہ اس جری اور دلیر شخص کے دل میں بچپن ہی سے مندر کے ہیبت انگیز توہمات بٹھا دیئے گئے تھے اور یہ آدمی انہی ہیبت ناک توہمات میں پروان چڑھا۔ چنانچہ یہ مندر کی مخفی قوتوں اور اسرار و رموز سے اتنا خائف تھا کہ میدان جنگ کی گونجتی ہوئی تلواریں اس کے مقابلے میں ہیچ تھیں۔

وجہ یہ تھی کہ اس مندر میں ہر کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس میں تو صرف وہی کاہن داخل ہو سکتا تھا جو نفس کش ریاضتیں کر کے اور زبردست قسم کی مشقتیں اٹھا اٹھا کر رشی بن چکا ہو اور جو اس میں داخل ہو جاتا وہ دنیا کی رونق اور کائنات کا جمال اپنے اوپر حرام کر لیتا۔

مندر کا خوف

چنانچہ یہ جری اور شجاع آدمی ان کاہنوں کے خوف سے قدم آگے نہ بڑھا سکا۔ کچھ عرصہ کھڑا رہنے کے بعد اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے دروازہ کھٹکھٹانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اندھیرے میں بڑے سر والی ڈراؤنی شکل دکھائی دی۔ جس کی داڑھی وسیع و عریض اور بال لمبے لمبے تھے۔ یہ اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ قریب تھا کہ بھاگ کھڑا ہو لیکن اس نے اس کا نام لے کر انسانی آواز میں پکارا۔ یہ سمجھ گیا کہ مندر کا دربان ہے اور اسے لینے آیا ہے۔ یہ اس کے پیچھے چل پڑا لیکن دل آنے والے منظر سے دھڑک رہا تھا۔ وہ دربان اسے طویل ترین سرنگ میں لے گیا جس کے دونوں جانب تانبے کے منقش چراغ جل رہے تھے اور ان سے نیلی رنگت کے شعلے نکل رہے تھے۔ ان کی روشنی دیواروں کے پتھروں پر رقص کر رہی تھی۔ اس سرنگ میں ان دیوتاؤں کی ہیبت ناک تصویریں رکھی ہوئی تھیں' جن کی آنکھوں سے سرخ شعلے نکل رہے تھے اور یہ آنکھیں بڑے بڑے نڈر لوگوں کو دہلا دیتی تھیں۔

اس سرنگ کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جن میں زور سے ہوا داخل ہوتی تو ایسی ایسی آوازیں نکلتیں جو سننے والے کو ڈرا دیتی تھیں۔ یہ دونوں چلتے چلتے ان کاہنوں کے پاس پہنچے جنہیں کبھی کبھار بادشاہ ہی دیکھ سکتا تھا اور سارے حکمران ان کی بات رد نہیں کر سکتے تھے کہ مبادا ان کی بات نہ ماننے سے کوئی مصیبت نہ پڑ جائے۔

یہ آدمی ہیبت اور دہشت کی بنا پر نہ

ارد گرد دیکھ سکتا اور نہ نظر بھر کر کاہنوں کو دیکھ سکتا تھا۔ البتہ ان کی باتیں اس کے کانوں میں سنائی دے رہی تھیں اور یہ اسے ایسے سن رہا تھا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔

اس نے اندازہ لگایا کہ ان میں سے ایک کاہن سمرقند کا ماضی یاد کر رہا ہے اور اہل وطن کی بداعمالیوں پر آنسو بہا رہا ہے اور بڑے دکھ کے ساتھ بیان کر رہا تھا کہ مسلمان ناگہانی آفت کی طرح آئے اور تاج و تخت الٹ دیا۔ ان کے نکلنے کی تمام امیدیں ختم ہو گئی ہیں اور سوائے ترکش دان کے آخری تیر چلانے کے کوئی چارہ نہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ اس قوم کا حکمران بڑا عادل اور منصف مزاج ہے۔ ہمارا پروگرام ہے کہ ہم اس کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجیں جو اسے ہماری شکایت سے آگاہ کرے پھر جو ہو سو ہو۔

اور ہم نے تجھے تیری جرات و شجاعت اور عربی زبان میں مہارت کی وجہ سے منتخب کیا ہے کیا تو راضی ہے ؟

اس نے کہا ہاں!

اس نے کہا دیوتاؤں کی توفیق سے روانہ ہو جا۔

مندر سے خروج

یہ آدمی مندر سے نکلا اور فخر کی وجہ سے اس کا سر بلند تھا۔ اب اس کا پاؤں زمین پر اور دماغ آسمانوں پر پرواز کر رہا تھا۔ وہ اتنی خوشی محسوس کر رہا تھا کہ گویا اڑ کر دمشق چلا جائے۔ اسے رات کا اندھیرا، روشنی نظر آنے لگا کیونکہ اس کے لئے یہ بڑی خوشی کی بات تھی کہ وہ کاہن سے ہم کلام ہوا ہے اور یہ وہ اعزاز ہے جو شاید کسی کو نصیب ہوتا ہو۔ اس نے سمجھ لیا کہ اب سمرقند کی آزادی اس کے بائیں ہاتھ میں ہے اور فرط شجاعت سے تمنا کرنے لگا کہ کاش وہ مجھے اسلامی افواج سے ٹکرا جانے کا حکم دیتے۔

لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ آج کل سمرقند کی حیثیت اسلامی سلطنت کے مقابلے میں وہ تھی جو خاشاک کی جڑ کو سطح سمندر پر کہ اگر وہ تہہ پر پنجہ جمانا چاہے تو سمندر کی ایک موج اسے بہا کر کہیں کی کہیں لے جائے۔

حیران کن مسافت

یہ آدمی زاد سفر لے کر چل پڑا۔ دن اور رات، ہفتے اور مہینے مسلسل سفر کرتا رہا۔ سمرقند سے بخارا، بخارا سے بلخ، بلخ سے ہرات، ہرات سے قزوین، قزوین سے موصل، موصل سے حلب، حلب سے دمشق سفر ختم ہونے کو آتا ہی نہ تھا۔ سب ریاستیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ سرسبز و شاداب زمینیں، تہذیب و تمدن کے عجیب و غریب نمونے، چاروں طرف رونق ہی رونق، پرشکوہ عمارتیں، بلند و بالا محلات، وسیع و عریض شاہراہیں، حسین و جمیل انسان، باپردہ اور حیادار خواتین، مختلف رنگوں کے پہاڑ، ہزاروں باغات، مختلف اقسام کے میوہ جات وہ دیکھتا ہی جاتا تھا لیکن یہ عجائبات ختم ہونے کو نہ آتے تھے۔ انہیں دیکھ کر سمرقند کی عظمت ہیچ نظر آنے لگی اور سمرقند کی حیثیت چین و ایران کے مقابلے میں کیا تھی اور پہاڑوں کے درمیان آباد، مدینۃ الرسول نے تو ان کو بھی نیچا دکھا دیا تھا۔

اور مدینہ وہ سرزمین ہے جس کو محمد ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ سے حرکت دی تو اس نے بے مثال جرنیل پیدا کئے، جنہوں نے سرکش حکومتوں کے تخت الٹ دیئے۔ پھر اسی ریگستانی زمین نے شام، عراق، ایران اور خراسان کو پسماندگی سے نکال کر گلستان بنا دیا۔ دنیاوی حکمرانوں کی فتوحات سے ملک اجڑتے رہے لیکن اسلامی حکومتوں کی فتوحات سے دنیا آباد ہوتی گئی۔

دمشق میں داخلہ

بالآخر دمشق کو دیکھ کر یوں چونک پڑا جیسے نیند سے بیدار ہوا ہو۔ بڑے بڑے اور ترقی یافتہ ملکوں کے بادشاہوں کی ملاقات کے تصور سے دل دھڑکنے لگا ------ یہ دمشق ہے مسلمانوں کا دارالحکومت، جلال و جمال کا چشمہ، دولت و ثروت کی کان، تقویٰ اور شرافت کا گہوارہ۔ یہیں سے ایسا فرمان جاری ہوتا ہے۔ جس کے سامنے دمشق سے سمرقند اور سمرقند سے سپین تک کے امراء کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور یہیں وہ مرد حکمران بستا ہے جس کے سامنے قیصر روم، کسریٰ ایران، سکندر یونان، خاقان چین کی عظمتیں نقش بر آب ہو گئیں اور جس کی بات کو چین کے کہساروں سے لے کر بحر ظلمات تک ٹالنے والا موجود نہیں۔

دل میں خیال آیا کہ اس تک رسائی کیسے حاصل ہو گی ؟ مسافر ہوں، پہلے کبھی یہاں آیا بھی نہیں۔ ناامیدی پیدا ہوئی --- رات گذارنے کے بعد ایک مہمان ہوٹل میں ٹھہرا۔ صبح ہوئی تو خوبصورت جوڑا زیب تن کیا اور خلیفہ کی ملاقات کے لئے نکلا۔ ایک آدمی سے خلیفہ کے متعلق پوچھتے ہوئے دہل گیا۔ اسے خیال آیا کہ نصف خطہ ارض کے حکمران سے ملنا جوئے شیر لانا ہے۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح دنیا کے

بادشاہ کسریٰ ایران کے سامنے لرزاں ترساں کھڑے ہوتے تھے اور وہ محض شبہے اور ناپسندیدہ فقرے کی بنا پر ان کو درندوں کے حوالے کر دیتا تھا۔

اس نے اپنی جان کے خطرے کے پیش نظر خلیفہ کی ملاقات کا خیال دل سے نکال دیا اور سوچنے لگا کہ جان گنوا کر ملک کی آزادی میرے کس کام۔ انہی سوچوں اور گھبراہٹوں میں گم ادھر ادھر گھومتا رہا۔ جب کبھی کسی پر شکوہ محل کے سامنے گزرتا تو رونق اور ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر اسے خلیفہ کا گھر خیال کر کے ششدر و حیران رہ جاتا اور ملاقات کے تصور سے دل بیٹھ جاتا۔ چلتے چلتے اس کے سامنے ایک وسیع و عریض اور عالی شان عمارت آگئی، جس کا دروازہ بلند وبالا اور بہت چوڑا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو لمبے لمبے مرمریں ستون تھے، جن کے نقش و نگار اور بیل بوٹوں کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ بے شمار لوگ اس میں آ جا رہے ہیں اور کوئی روکتا ٹوکتا نہیں۔ چنانچہ یہ بھی اس میں داخل ہو گیا۔ اندر جا کر خوبصورت وسیع و عریض صحن اور جھیل کو دیکھ کر پہلے سے زیادہ حیران ہو گیا۔ اس جھیل میں پانی کے فوارے چھوٹ رہے ہیں اور سورج کی کرنوں نے اسے وہ حسن بخش دیا جو بیان سے باہر ہے۔ آگے جا کر دیکھتا ہے کہ ہزاروں افراد مختلف امور میں مصروف ہیں۔ کہیں کوئی اٹھتا ہے، کہیں کوئی بیٹھتا ہے، کہیں علمی حلقے قائم ہیں، بحث و مباحثہ ہو رہا ہے، کہیں درس و تدریس، کہیں فتاویٰ لکھے جا رہے ہیں۔ اتنی مخلوق جمع ہے کہ ایک سرے سے کھڑے ہو کر دوسرے سرے تک نظر نہیں دوڑائی جا سکتی۔ فرش ایسا خوشنما کہ شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ دیواروں کے رنگ و روغن نے آنکھیں چندھیا دیں۔ چھت کی طرف دیکھا تو چاندی کی زنجیروں سے لٹکتی ہوئی قندیلوں اور شمع دانوں کی خوش نمائی نے سب کچھ بھلا دیا۔ اس بقعہ نور میں چلتے چلتے ایک نمازی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس نے سلام پھیر کر اس مسافر کا حال پوچھا۔ اسے معلوم ہوا کہ خلیفہ سے ملنا چاہتا ہے۔

نمازی: تو کیا آپ امیر المومنین کے گھر کا پتہ پوچھنا چاہتے ہیں؟

سمرقندی: کیا یہ امیر المومنین کا گھر نہیں ہے؟

نمازی: (ہنستے ہوئے) نہیں یہ اللہ کا گھر ہے۔ کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟

اس بیچارے کو نماز کا کیا پتہ۔ یہ تو اس دین کا پابند تھا جس کی معرفت صرف ڈراؤنی صورتوں والے دیوتاؤں کو ہی حاصل تھی۔ کہاں مندروں کا اندھیرا اور کہاں اسلام کا نور و جمال، یہ خاموش رہا تو نمازی نے پھر پوچھا کیا تم نے نماز ادا کر لی ہے؟

سمرقندی: نہیں جناب میں نے نماز نہیں پڑھی اور میں نماز جانتا ہی نہیں ہوں۔

نماز: تیرا دین کون سا ہے؟

سمرقندی: میں سمرقندیوں کے دین کا پابند ہوں۔

نمازی: ان کا دین کیا ہے؟

سمرقندی: میں نہیں جانتا۔

نمازی: تیرا رب کون ہے؟

سمرقندی: مندر کے مرعوب کن دیوتا۔

نمازی: کیا جب تو بیمار ہوتا ہے تو وہ تجھے شفا دیتے ہیں یا تو حاجت طلب کرے تو پوری کرتے ہیں؟

سمرقندی: میں نہیں جانتا۔

قبول اسلام

اس نمازی نے سمجھ لیا کہ یہ بیچارہ جاہل ہے۔ اس نے اس کے خالی دل میں اسلام کے سیدھے سادھے اصول اور اس کا جمال ڈالنا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی دیر میں یہ اس دین کا پابند ہو گیا، جس نے عربوں کو پوری دنیا کا سردار بنا دیا۔

نمازی نے کہا آؤ میں تمہیں خلیفہ کا گھر بتاؤں۔ (اور اس وقت امیر المومنین گھر کا کام کر رہے تھے) یہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور اسلام کے جمال و کمال سے آگہی کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔ یہ داخل ہونے والے دروازے کی بجائے دوسرے دروازے سے نکلا اور اس وقت حیران و ششدر رہ گیا جب نمازی لکڑی کے دروازے والے تنگ مکان کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ یہ امیر المومنین کا گھر ہے۔

خلیفۃ المسلمین کے گھر کی حالت

اس نے نمازی کی طرف دیکھا کہ شاید مذاق کر رہا ہو لیکن اسے سنجیدہ پا کر دروازے سے آگے بڑھ گیا۔ اسے دروازے کی دراڑ سے نظر آیا کہ ایک بزرگ گارے سے دیوار لیپ رہا ہے اور ایک بی بی آٹا گوندھ رہی ہے۔ اس نے دروازہ چھوڑ دیا اور غصے سے اس نمازی کو پکڑ لیا اور کہا "جناب تو نے مجھ سے جھوٹ بول کر کیا لینا تھا؟ میں نے تجھ سے خلیفہ کا گھر پوچھا تھا لیکن تو نے معمار کا گھر بتا دیا!"

نمازی: کون سا معمار؟

سمرقندی: گھر والا اور اسے گھر والے کا حلیہ بتایا

نمازی: تجھ پر افسوس! وہی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز ہے۔ اللہ کے علاوہ جس سے بڑا حکمران کوئی نہیں ہے اور وہ عورت۔۔۔۔۔ یہ امیر المومنین کی بیوی' خلیفہ عبدالمالک کی بیٹی اور دو خلفاء ولید بن عبدالملک اور سلیمان کی بہن اور بعد میں بننے والے دو خلفاء کی ہمشیرہ اور عرب کی معزز ترین عورت ہے۔

امیر المومنین بذات خود بڑے مالدار اور خوش پوش اور خوش خوراک انسان تھے۔ لیکن ان میں دنیا کے مشہور ترین عادل حکمران عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ تھی جو اسے اس حالت میں لے آئی۔

واپس جا اور دروازہ کھٹکھٹا اور اسے اپنا قصہ سنا اور خوف نہ کھا۔ اللہ کی قسم یہ کوئی متکبر اور ظالم و جابر حکمران نہیں ہے۔ یہ تو متواضع اور منکسر المزاج امیر المومنین ہے۔ اسے حق بات نافذ کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش ہی نہیں آتی۔ جب یہ اللہ کی خاطر غصہ میں آتا ہے تو ہواؤں کے جھکڑ اور بادلوں کی بجلیاں اس کی قوت بن جاتی ہیں۔

سمرقندی پر رعب و کپکپی

سمرقندی رجعت قہری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بہادری جوش مارتی ہے تو قدم اٹھالیتا ہے۔ رعب و دبدبہ کا تصور آتا ہے تو دل مچھ جاتا ہے۔ وہ اپنے ملک کے حکمرانوں کے مسلح باڈی گارڈز کا تصور کرتا ہے تو تذبذب میں پڑ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ بادشاہ تو وہ ہوتے ہیں جو تلوار کے زور پر حکمرانی کریں اور رعیت ڈر کر ان کی اطاعت کرے۔ عدل کی حکمرانی اور محبت کی اطاعت کو وہ پہنچانتا ہی نہ تھا۔ یہ بات دل میں جاگزیں ہوئی کہ ضرور یہ شخص مذاق کر رہا ہے۔

دوڑا اور اس نمازی کو پیچھے سے جالیا اور کہا:

سمرقندی: میرے بھائی تجھے اللہ کی قسم سچ بتا کہ واقعی یہ امیر المومنین کا گھر ہے؟

نمازی: ہاں اللہ کی قسم یہ اسی کا گھر ہے۔ یہ اس انسان کا گھر ہے جسے قرآن کی برکت نے قیصر و کسریٰ' فرعون و خاقان کے ممالک اور ان کے تاج کا وارث بنایا۔ چونکہ اس کا سر بلند تھا اور یہ تاج چھوٹے تھے۔ تاج وہاں تک پہنچ نہ پاتے تھے' اس لئے اس نے عرب کے تاج (پگڑیاں) پسند کر لیے۔

زاہد خلیفۃ المسلمین کا اندازِ حکمرانی

یہ اس آدمی کا گھر ہے جس کے سامنے دنیا کے ثمرات اور مال غنیمت سمٹ سمٹ کر آئے اور یہ سونا تول تول کر مستحقین کو دے رہا ہے اور فقیروں کو جواہرات اور محتاجوں کو گھر دے رہا ہے۔ خود ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ اپنے خاندان کو اس کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔۔۔ کیونکہ اس نے جنت کے بدلے میں سونے' چاندی اور جواہرات سے نفرت کر لی ہے۔

اس نے دنیا کو عاجزی اور لاچاری کی بناء پر ترک نہیں کیا بلکہ شاہی میں فقیری اختیار کی۔ حکمران بننے سے قبل اپنی صلاحیت کا لوہا منوا چکا تھا۔ اس کی رہبانیت بھی عجیب ہے۔ نہ غار میں بیٹھ کر ترک دنیا میں عامل' نہ مسجد میں یاد الٰہی کے بہانے دنیا سے غافل بلکہ دولت و ثروت اور حکومت و سلطنت کا مالک ہو کر زاہد بن گیا۔

آگ میں داخل تو ہوا ہے مگر جل نہیں رہا۔ پانی میں چل رہا ہے مگر بھیگ نہیں رہا' اس کے سر میں دانائی کے خزانے اور منہ میں ادیب کی زبان' سینے میں جرنیل کا دل ہے' دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کو اپنی فراست مومنانہ سے چلا رہا ہے۔ عدلیہ' انتظامیہ' خارجہ' داخلہ کے محکمے اس کے اشاروں پر چل رہے ہیں۔

یہ قائد بھی ہے اور مفتی بھی' عالم بھی ہے اور معلم بھی' اس کے حسن انتظام سے دنیا کی وسیع و عریض سلطنت میں امن و امان قائم ہو گیا۔ پوری مملکت میں دشمنیاں ختم ہو گئیں' مقابلہ کرنے والوں نے ہتھیار پھینک دیئے' شیعہ اور خارجی بھائی بھائی بن گئے' مصری اور یمنی کالے اور گورے نے صلح کر لی۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے لگے۔ حوادثات زمانہ جب اسے دیکھتے ہیں تو ساحل سمندر سے ٹکرا کر واپس مڑنے والی موج کی طرح پلٹ جاتے ہیں۔

یہ امیر المومنین سلیمان کو دفنا کر واپس آرہے تھے کہ یہ خبر باد نسیم کی طرح پھیل گئی کہ عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ خبر پھیلتے ہی فضا مسرت کے نعروں سے گونجنے لگی کہ گویا عید الفطر کا چاند طلوع ہو گیا ہو۔ سرکاری ملازم سونے اور جواہرات سے مرصع سواریاں لے کر حاضر ہوئے۔ اس نے فرمایا یہ کس لئے؟ انہوں نے عرض کیا امیر المومنین کے لئے ہیں۔ فرمایا مجھے ان سے کیا سروکار؟ لے جاؤ اور میرا خچر لے آؤ۔ خچر لایا گیا تو ایک سیکورٹی افسر مسلح ہو کر دستور کے مطابق آگے آگے چلنے لگا۔ فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ' مجھے ایسی کوئی ضرورت نہیں' میں بھی ایک عام مسلم ہوں۔

چنانچہ بغیر کسی حفاظتی دستے اور بغیر شاہی جھنڈے کے خچر پر سوار ہو کر وہ شخص جا

رہا ہے جو شام، اندلس، مراکش، الجزائر، تیونس، طرابلس، مصر، حجاز، نجد، یمن، فلسطین، اردن، لبنان، عراق، ایران، آذربائیجان، آرمینیا، کابل، بخارا اور سندھ جیسے بیس (۲۰) بڑے بڑے علاقوں کا واحد حکمران ہے۔ جاتے ہی مسجد میں داخل ہو گیا۔ تمام لوگ صفوں پر بیٹھ گئے۔ یہ منبر پر بیٹھ کر حمد و ثنا کے بعد یوں گویا ہوا:

لوگو! مجھے مسلمانوں کے مشورے اور میری مرضی کے بغیر حکمران بنا دیا گیا۔ میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت واپس لیتا ہوں۔ جسے چاہو خلیفہ بنا لو۔ یہ سنتے ہی سب کی چیخیں نکل گئیں، سب کے سب بیک آواز بولے کہ ہم آپ کے علاوہ کسی کو نہیں چاہتے۔

پھر یہ قصر خلافت کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے ہی حکم دیا کہ اس محل کے ریشمی پردے اتار دیئے جائیں اور غالیچے، قالین لپیٹ دیئے جائیں۔ سامان آرائش اٹھا کر دیا جائے۔ ان سب کو نیلام کر کے رقم بیت المال میں داخل کرا دی۔

لوگوں نے سوچا نیک آدمی ہے لیکن حکومت شاید اس کے بس کا روگ نہ ہو۔ انہوں نے سوچا کہ یہ تسبیح ہاتھ میں لئے گوشے میں بیٹھ جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ تسبیح کی جگہ قلم چلنے لگا۔ دھڑا دھڑ کاغذات منگوائے جا رہے ہیں، ظالموں سے مظلوموں کے حقوق لئے جا رہے ہیں۔ دن اور رات ایک کر کے ملکی نظم و نسق قرآنی اصولوں پر استوار کیا جا رہا ہے۔ احکامات پر فوری تعمیل کرائی جا رہی ہے۔

دنیا کو پتہ چل گیا کہ یہ شخص دنیا سے لاتعلق ہونے کے باوجود رموز مملکت سے آشنا ہے۔ صرف آشنا ہی نہیں بلکہ بد عنوانیوں کے کس بل نکالنے بھی جانتا ہے۔ صبح سے دوپہر تک فرائض سرانجام دینے کے بعد قیلولہ کرنے کے لئے لیٹنا ہی چاہتا تھا کہ نوجوان فرزند عبدالملک آ گیا اور پوچھا کہ آپ سو گئے تو مظلوموں کی داد رسی کون کرے گا؟ فرمایا بیٹا تیرے چچا کے کفنانے اور دفنانے میں مشغولیت کی بنا پر کل کا تھکا ہوا ہوں۔ سو کر ظہر کے بعد یہ کام کروں گا۔ اس نے کہا ابا جان اس بات کی کیا ضمانت کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے۔ یہ فوراً اٹھے اور اعلان کرا دیا جس کسی کو شکایت ہو آئے، میں اپنے گھر اور خاندان سے شروع ہوتا ہوں۔

اللہ کی قسم جتنا کہا اس سے کہیں زیادہ کر کے دکھایا۔

ہاں اے مسافر! یہ امیر المومنین کا گھر ہے۔ اسے چھوٹا اور خام سمجھ کر حقیر نہ سمجھ۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کے دروازے رنگ و روغن سے کورے اور مسلح دربان سے خالی ہیں لیکن یہ دنیا کے گھروں سے معزز ہے۔ جا اور خوف نہ کھا۔

سمرقندی کی امیر المومنین سے ملاقات

سمرقندی لوٹ پڑا۔ جب دروازے کے قریب پہنچا تو بچے کے چیخنے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ ایک بچے نے دوسرے کا سر پھوڑ دیا ہے۔ خلیفہ بذات خود گھر سے نکلا اور بچوں کو پکڑا اور اسے دیکھ کر پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں سمرقند سے ظلم کی شکایت لے کر آیا ہوں۔ فرمایا ٹھہر میں ابھی آتا ہوں۔ اس کے بعد ایک عورت لرزتی ہوئی آئی اور کہنے لگی یہ زخمی کرنے والا میرا بیٹا ہے۔ یتیم ہے اور اس پر رحم کرو۔ امیر المومنین پوچھتے ہیں کہ اس کا وظیفہ لگ گیا ہے یا نہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا ہم اس کا نام دیوان میں لکھ لیں گے۔ وہ عورت دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ ادھر امیر المومنین کے زخمی بیٹے کی ماں غصے سے بولی کہ اب اگر وہ بچہ دوبارہ ایسا نہ کرے تو مجھے کہنا۔ امیر المومنین نے فرمایا تم نے اسے ڈرایا ہو گا۔ اس کے بعد امیر المومنین باہر آئے تو سمرقندی نے عساکر اسلامیہ کے جرنیل قتیبہ بن مسلم کی شکایت کی کہ وہ بغیر دعوت اسلام دیئے اور بغیر جزیہ طلب کئے اور بغیر اعلان جنگ کئے سمرقند پر قابض ہو گیا تھا۔

امیر المومنین نے فرمایا: واللہ! ہمارے نبی ﷺ نے ظلم سے روکا ہے اور اپنوں اور غیروں سے انصاف کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

"اے غلام قلم اور کاغذ لاؤ" وہ دو انگلی کاغذ اور قلم لے آیا۔ آپ نے چند سطریں لکھ کر مہر لگا دی اور فرمایا وہاں کے گورنر کے پاس لے جاؤ۔ یہ وہاں سے نکلا اور سفر طے کرنے لگا۔ جب کسی شہر میں پہنچتا تو مسجد میں چلا جاتا اور جب نماز کا وقت ہوتا تو مسلمانوں سے کندھا ملا کر کھڑا ہو جاتا۔ اس کے دل میں ایمان، زبان پر تکبیر و تحمید تھی۔ اپنے آپ کو اسلامی تنظیم کا رکن سمجھتا تھا اور دیکھتا تھا۔

اسلامی مساوات کا دلکش منظر

ایک امامت کراتا ہے، دوسرے اقتداء کرتے ہیں نہ ان میں کوئی کاہن ہے، نہ رشی، نہ کوئی بت ہے نہ مجسمہ، سب کے سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں نہ کوئی امیر ہے نہ غریب، نہ شاہ نہ گدا، نہ کالے کی تمیز اور نہ

گورے کی۔ سب کے سب کعبہ کے گرد ایک ذات رب العالمین کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔

اب نہ کوئی مشقت تھی نہ تکلیف۔ جب کسی شہر کی مسجد میں جاتا وہ مسافر سمجھ کر مہمانی کرتے۔ اب یہ سوچتا ہے کہ آمد اور رفت کے درمیان کتنا فرق ہے۔ آیا تھا تو غریب پردیسی تھا' جا رہا ہوں تو نعمتوں سے لدا ہوا ہوں۔ واپس مندر میں پہنچا لیکن اس مرتبہ نہ ڈراؤنے مجسموں کا خوف ہوا نہ نیلے چراغوں کا' نہ کاہن کی ہیبت تھی نہ اس کا خوف۔ کیونکہ نور اسلام اس پر روشن ہو گیا کہ یہ بے جان بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ البتہ اس نے اسلام کو مخفی رکھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ اسے زندہ سلامت دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

اس نے اپنی روداد سفر بیان کر کے ان کو اور بھی حیران کر دیا۔ انہوں نے اسے جلد از جلد گورنر کے پاس بھیجا۔ گورنر نے رقعہ کھول کر پڑھا تو اس میں حکم تھا کہ سپہ سالار (قتیبہ) اور کاہنوں کا جھگڑا نمٹانے کے لئے خصوصی عدالت مقرر کی جائے اور جج جو فیصلہ کرے اسے نافذ کر دیا جائے۔

گورنر نے سر اطاعت خم کرتے ہوئے عدالت تشکیل دی اور جمیع بن حاضر باجی کو جج مقرر کر دیا گیا۔ عدالت کی تشکیل کی خبر سن کر کاہن خوشی سے تمتما اٹھے لیکن لمحے بھر کی خوشی کے بعد ان کے چہرے ایسے سیاہ ہو گئے جیسے صاف آسمان پر کالا بادل چھا گیا ہو۔ انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ عدالت بھی مسلمانوں کی دھوکہ بازی کا نیا باب ہو گی۔

مقررہ تاریخ آ پہنچی' تمام لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ ایک طرف سمرقند کے کاہن بیٹھ گئے اور دوسری طرف عرب کا اسکندر (یعنی عساکر اسلامیہ کا جرنیل) جس کے برابر مشرق میں کوئی فتوحات حاصل نہ کر سکا۔ لوگوں کی آنکھیں مسجد کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دبلا پتلا اور نحیف شخص چھوٹی سی ٹوپی سر پر رکھے مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا غلام تھا۔ وہ آتے ہی مسجد کے ستون سے لگ کر بیٹھ گیا اور اس کا غلام پاس کھڑا ہو گیا۔ یہ خصوصی عدالت کا جج جمیع بن حاضر باجی تھا۔

اس جج کو دیکھ کر کاہنوں کی آخری امید بھی ختم ہو گئی کہ یہ کیسے ہو گا کہ یہ شخص فاتح اعظم کے خلاف اور مغلوب کاہنوں کے حق میں فیصلہ سنائے۔

جج کے غلام نے بغیر کسی لقب اور کنیت کے سپہ سالار کو پکارا۔ وہ آکر دائیں جانب بیٹھ گئے پھر کاہنوں کے سربراہ کو بلایا اور وہ بائیں جانب بیٹھ گئے۔ مقدمہ کی سماعت شروع ہو گئی۔ خصوصی عدالت کے جج نے کمزور اور نحیف آواز میں کاہن سے پوچھا اپنا دعویٰ پیش کرو۔

اس نے کہا کہ عساکر اسلامیہ کے سپہ سالار نے بغیر دعوت اسلام اور بغیر جزیہ طلب کئے اور بغیر اعلان جنگ کئے دھوکے سے ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔

جج نے جرنیل سے جواب دعویٰ طلب کیا تو اس نے کہا:

"اللہ آپ کو حق انصاف پر گامزن رکھے' اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعے اس ملک کو کفر سے نجات دی اور مسلمانوں کو اس کا وارث بنایا۔

جج نے پوچھا کیا تم نے دعوت اسلام یا جزیہ یا اعلان جنگ کیا تھا؟

جرنیل نے کہا: نہیں!

جج نے کہا تم نے اقرار کر لیا ہے۔ سنو اللہ نے اس دین کی نصرت اس وجہ سے کی ہے کہ یہ حق و انصاف کا داعی ہے۔ ہم تو گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلے ہیں۔ اس لئے نہیں ہم ملکوں پر بغیر حق کے قبضے کرتے پھریں۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ مسلمان اس ملک سے نکل جائیں اور سرحد پر جا کر اسلامی دستور کے موافق دعوت اسلام پیش کریں پھر جزیہ طلب کریں۔ اگر یہ بھی ناقابل قبول ہو تو اعلان جنگ کریں۔ اس کے بعد عدالت برخاست ہو گئی۔ ایک طرف سے جج نکل گیا اور دوسری طرف سے عساکر اسلامیہ کا سپہ سالار۔ قریب قریب والے لوگوں کو فیصلے کا پتہ چلا باقی لوگ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

ہمارے سمرقندی بھائی نے کاہن کے چہرے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس ناقابل یقین فیصلے کے بعد اس کے چہرے پر نور اسلام کی کرنیں چمکنے لگی ہیں۔ کیونکہ اسے اسلام کی سرسبز و شاداب اور جلال و جمال سے منور دنیا نظر آگئی اور مندر کی اندھیری دنیا میں تو بس ہی رہا تھا اس نے اپنے دین کو خیرباد کہنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ کسی سعید روح کا نور اسلام دیکھ کر اسلام قبول نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے بچے کا ماں کے پیٹ کی تاریک دنیا سے نکل کر دوبارہ واپس جانا۔

کاہنوں کا قبول اسلام

چند گھنٹے گذرنے کے بعد فضا بگل کی آواز سے گونجنے اور ڈھول کی آواز سے گرجنے لگی

بقیہ صفحہ نمبر ۴۳